39

امن قائم رکھنا ہمارا مذہبی فرض ہے

(فرمودہ ۲۵ر اپریل ۱۹۱۹ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"چند دن سے چونکہ میرے حلق میں تکلیف ہے۔ اس کی وجہ سے میں زیادہ نہیں بول سکتا اس لیے میں مختصراً آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں جس کا یاد رکھنا آپ کے لیے مفید اور نہایت ضروری ہے۔

یہ یاد رکھو کہ خدا کی جو نعمتیں آتی ہیں۔ اور اس کے جو احسان و انعام ہوتے ہیں۔ ان نعمتوں اور احسانوں اور انعاموں کے ردّ کرنے والے دُنیا میں بڑا دُکھ پاتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً کچھ مدت بعد لوگ نعمت کو بھول جاتے ہیں اور ان کو نعمت کی قدر نہیں رہتی۔ کیونکہ عموماً طبائع ایسی ہیں جو کہ تغیر کو پسند کرتی ہیں۔ ایک شخص کو خاص قسم کا کھانا ملے اور متواتر ملتا رہے چند عرصہ کے بعد وہ شور مچا دے گا۔ جن لوگوں کو عمدہ غذائیں ملتی ہیں۔ وہ ادنیٰ غذاؤں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جہاں غریب اس خیال میں ہوتا ہے کہ امیر خدا جانے کیا نعمتیں کھاتے ہیں۔ وہاں امیر کسی غریب کے گھر کے پاس سے گذریں گے تو کہیں گے کہ ہمارے ہاں سب کچھ پکتا ہے، لیکن جیسی اس غریب کے ہاں کی ہنڈیا سے خوشبو آرہی ہے۔ ویسی ہمیں کبھی اپنے کھانوں سے نہیں آتی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ امراء کو ان نعمتوں کی قدر نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ان کے لیے بے لذت ہوجاتی ہیں۔

ایک رئیس جو غدر میں تباہ ہوگیا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ روز سپاہی کو حکم دیتا تھا کہ کسی غریب کی ہنڈیا اُٹھالاؤ۔ اور جو اس کا اپنا کھانا ہوتا تھا وہ اس کے ہاں بھجوا دیتا تھا۔ اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ بڑا نفس کش اور متقی آدمی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے اس کو جو نعمتیں دے رکھی تھیں وہ ان کی قدر نہیں کرتا تھا۔

غرض بہت انسان تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بہت جلد ایک حالت سے گھبرا جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ وہ خدا کی ناشکری میں یہاں تک بڑھ گئی

تھی کہ وہ آبادی سے گھبرانے لگ گئی تھی اور اس امر کی شاکی تھی کہ خدا نے ان کے ملک کو کیوں اسقدر آباد بنا دیا ہے کہ جنگل کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ پھر خدا نے اس قوم پر عذاب بھیجا۔ اور اس قوم کو تباہ کر دیا[1]۔ تو جب انسان کی عقل ماری جاتی ہے اچھی بات بُری معلوم ہوتی ہے اور پھر عجیب عجیب دلائل سُوجھنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے جو ہم پر احسان کیا ہے وہ احسان کہاں ہے اس میں اس کا ذاتی فائدہ بھی تھا۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کسی شخص کا کسی بات میں ذاتی فائدہ بھی ہو تو وہ نیکی کیوں نہیں رہتی۔

احسان کے صرف اتنے معنی ہیں کہ ایک شخص کسی دوسرے کے ساتھ کوئی ایسا کام کرے جس میں اس دوسرے شخص کا فائدہ ہو اور اس کی نیت ہو کہ اس سے اُسے آرام ملے اور یہ بات احسان کے منافی نہیں ہے کہ اس نیکی یا بھلائی کرنے والے کو بھی اس کے ذریعہ کوئی فائدہ پہنچتا ہو۔ اگر کسی کی اپنی غرض کے باعث احسان احسان نہیں رہتا تو ماننا پڑیگا کہ خدا کا بھی نعوذ باللہ کوئی احسان نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو جو پیدا کیا ہے اس کی خاص غرض اور منشاء ہے۔ جیسا کہ فرمایا مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت: ۵۷) کہ ہم نے انسان کو اس غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کرے تو اب دیکھ لو کہ خدا کے مخلوق پیدا کرنے میں بھی ایک غرض اور غایت ہے۔ تو کیا اس طرح کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ خدا کا ہم پر احسان نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک غرض سے پیدا کیا ہے۔

یہ ایک موٹی بات ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کی صفت خالقیت تقاضا کرتی ہے کہ وہ پیدا کرے۔ تو کوئی نادان کہدے کہ اگر وہ پیدا نہ کرتا تو کیسے ثابت ہوتا کہ وہ خالق ہے۔ یا اگر وہ رحم نہ کرتا تو رحیم کیسے کہلاتا، یا اگر وہ ربوبیت نہ کرتا تو رب کیسے کہلا سکتا تھا۔ پس یہ جو کچھ وہ کرتا ہے یہ اس کی صفات کا تقاضا ہے۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتا تو اس کی صفات کا کس طرح اظہار ہو سکتا تو یہ کام یعنی رحیمیت، رحمانیت اور ربوبیت وغیرہ ہم پر کوئی احسان نہیں یا مثلاً اگر دُکھ اور آفت اور مصیبت میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دُکھ اور آفت کو دُور کرتا ہے کیونکہ وہ رؤف ہے تو کہدیا جاوے کہ اس کے یہ افعال ہم پر احسان کے طور پر نہیں بلکہ اپنی صفات کے پورا کرنے کے لیے ہیں۔ اور پھر یہی طریق انسانوں میں چلے گا اور ماں باپ کے متعلق کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ماں باپ کا ہم پر کیا احسان ہے اُنھوں نے اپنے خاص اغراض کو پورا کیا اور اُسکا نتیجہ اس کی ولادت کی صورت میں ظاہر ہو گیا اور ماں نے جو اس کو گودیوں میں کھلایا، دُودھ پلایا، پرورش کیا تو یہ اس نے اپنی ممتا کے تقاضا سے

---

[1] سورۃ سبا: ۲۰

کیا اس پر کوئی احسان نہیں کیا یا مثلاً شاگرد کہے کہ اُستاد نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ وہ تنخواہ لیتا تھا مجھکو پڑھاتا تھا۔ پس یہ اُصول نہایت غلط ہے کہ چونکہ نیکی کرنے والے کو بھی کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ تو اس طرح گویا وہ نیکی اور احسان زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ احسان کی یہ تعریف درست ہی نہیں کہ ایسا کام جس سے دوسرے کو ہی فائدہ پہنچے اور کام کرنے والے کی اس میں نہ کوئی غرض ہو اور نہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔ ہاں کوئی شخص کسی سے کوئی ایسا سلوک کرے جس سے اس کو نقصان پہنچ سکتا ہو، لیکن خدا تعالیٰ اس کام کو اس کے حق میں بجائے بدی اور نقصان کے مفید اور بابرکت کر دے تو یہ جُدا بات ہے اگر یہ نہیں تو ہر ایک کام جس سے کسی کو فائدہ پہنچے اور فائدہ پہنچانے والے کو بھی کچھ فائدہ پہنچ جائے تو یہ سب احسان میں داخل ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام احسانات۔ خدا کے احسان والدین کے احسان اور اُستادوں کے احسان سب مِٹ جاتے ہیں۔ یہ احسان کی تعریف جو لوگ کرتے ہیں۔ غلط تعریف ہے۔ کسی غرض و غایت کا ہونا احسان کے منافی نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض باتیں جو بندوں کے ذریعہ ہمیں حاصل ہوتی ہیں اگر انھیں بندوں کا احسان نہ بھی مانا جائے اور یہی تسلیم کر لیا جائے کہ ان بندوں کا بھی فائدہ ہے تو بھی ان کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں گو بندوں کے ذریعہ ہیں۔ اس لیے ہمیں ان کی قدر کرنی پڑتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے علوم نکلے ہیں جو دُنیا کے لیے بہت مفید ہیں اور ان کو استعمال کرنے سے دُنیا کو بہت فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ مثلاً قسم قسم کی ایجادیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان ایجادوں سے تاجروں کو بھی فائدہ ہے اور ان کو کسی خاص شخص کو فائدہ پہنچانا مدنظر نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس ایجاد سے ہمکو ایک فائدہ پہنچ رہا ہے۔ تو اس کارخانہ کے ذریعہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک احسان ہے۔ اگر ہم اس کارخانہ کو توڑ دیں اور جلا دیں تو بیشک کارخانہ دار کو نقصان پہنچے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے اس کی احسان فراموشی کی مگر اس میں بھی شک نہیں کہ ہمارے اس فعل میں خدا تعالیٰ کی احسان فراموشی ہو گی جس نے اس کارخانہ کے ذریعہ ہمارے لیے آسائش کے ذرائع پیدا کر دیئے تھے۔

پس بعض دفعہ خواہ اس انسان کا ہم پر احسان نہ ہو لیکن اس کے ذریعہ سے خدا کا ہم پر احسان ہوتا ہے۔ اگر ہم اس کو نقصان پہنچائیں۔ تو وہ خدا تعالیٰ کے احسان کا کفران ہے اور اس کی احسان فراموشی ہے۔ غرض بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایک ہی حالت سے گھبرا جاتے ہیں۔ کوئی کپڑا ہو

دیر تک وہ پھٹے نہیں تو کہیں گے کمبخت پھٹنے میں ہی نہیں آتا۔ یا جوتا چھ مہینے کی بجائے سال بھر تک چلے تو کہیں گے کمبخت ٹوٹنے میں ہی نہیں آتا۔ اسی مزاج کے لوگوں کا اس وقت گورنمنٹ کے متعلق خیال ہے۔ کہ یہ ٹوٹتی کیوں نہیں۔ گویا گورنمنٹ کا کوئی قصور ہے تو یہ کہ یہ ٹوٹتی کیوں نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک گاؤں کا نام تھا "قم" بادشاہ وہاں سے گذرا اور وہاں ٹھہرا۔ اور پوچھا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے بتایا گیا کہ اس کا نام ہے "قم" بادشاہ چلا گیا اور حکم بھیجا یَا قَاضِیَ قُمْ اِنَّا عَزَلْنَاکَ فَقُمْ اے قم کے قاضی ہم نے تجھ کو معزول کیا پس اُٹھ کھڑا ہو۔ قاضی کو جب یہ حکم ملا تو رو پڑا اور کہا کہ مجھے تو اس قافیہ نے تباہ کیا۔ محض قافیہ کے خیال سے بادشاہ نے یہ حکم بھیجا ہے۔ اور اس قافیہ نے میرا گھر تباہ کر دیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے، لیکن آج سے دس پندرہ برس پہلے اگر سیکنڈ کلاس میں دس دیسی ہوتے تھے اور ایک انگریز تو وہ دسوں اس قدر ڈرتے تھے جس کی حد نہیں اور بعض انگریز بھی حکومت کے زعم میں بُرا رویہ اختیار کر لیتے تھے۔ اگر سیکنڈ کلاس میں کوئی انگریز ہوتا اور وہاں جگہ خالی ہوتی اور دیسی داخل ہونے لگتا تو وہ اسباب بنچ کے نیچے سے اُٹھا کر سیٹ کے اوپر رکھ دیتا۔ گو میرا تجربہ زیادہ نہیں۔ مگر میں نے خود یہ حالت دیکھی ہے مگر اس کے بعد چند سالوں سے اس حالت میں ایک تغیر بھی دیکھا ہے کہ ریل میں انگریز مسافر خود اسباب کو پرے ہٹا کر دیسیوں کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس کے سلوک میں پہلے سے بہت ترقی ہو رہی ہے۔ پس اب گورنمنٹ پہلے سے خراب نہیں ہو گئی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں اس گورنمنٹ کی عمر لمبی ہو گئی ہے۔ یہ تو خیر ایک غیر ملک کی گورنمنٹ ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض سنگدل ماں باپ کو گالیاں دینے لگتے ہیں کہ کیوں نہیں مرتے۔ اگر مریں تو جائداد کو اپنے تصرف میں لائیں۔ گورنمنٹ نے ان کو امن و امان اور دیگر ہزار ہا قسم کے فوائد پہنچائے ہیں۔ مگر لوگ ان احسانوں کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم پر ان کا کیا احسان ہے۔ کیونکہ یہ جو کچھ کرتے ہیں۔ اس میں ان کا اپنا فائدہ تھا۔ اوّل تو میں نے یہ بتایا ہے کہ یہ اصول ہی غلط ہے کہ اس طرح احسان احسان نہیں رہتا۔ اگر نیکی کرنے والوں کو بھی کچھ فائدہ پہنچ جاتے۔ مگر ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ گورنمنٹ کا ہم پر کوئی احسان نہیں، لیکن خدا کا تو ہم پر احسان ہے کہ ان کے ذریعہ ہمیں بہت سے فوائد میسّر ہو گئے۔ جلاہوں کا ہم پر احسان نہ سہی، لیکن خدا کا احسان ہے کہ ہمارے لیے اس کثرت و بہتات سے کپڑا مہیا ہو گیا ہے۔ ابھی کچھ ہی زمانہ گذرا ہے کہ ہمارے ملک میں لوگ لنگوٹی باندھے پھرا کرتے تھے۔

اس کی یہی وجہ تھی کہ کپڑا مہیا نہیں ہوتا تھا۔ جلاہوں کی بیشک یہ غرض نہیں ہوتی۔ کہ زید و بکر کو فائدہ پہنچے۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ ہم ان کے کام سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور یہ خدا کا ہم پر احسان ہے تو اگر ہم ایک کپڑے کے کارخانہ دار کو قتل کرتے۔ یا اس کا کارخانہ جلاتے ہیں تو بے شک اس کی احسان فراموشی نہیں کرتے، مگر کیا خدا کی بھی احسان فراموشی نہیں کرتے جس نے اس کے ذریعہ سے ہم پر احسان کیا تھا۔ اس طرح ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ گورنمنٹ کا ہم پر احسان نہیں۔ مگر کیا خدا کا بھی اس ذریعہ سے ہم پر احسان نہیں ہے؟ اور کیا خدا کی احسان فراموشی کوئی چھوٹی اور ادنیٰ چیز ہے؟

ان شورش کے ایام میں ہماری جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے خلوص کیساتھ فرمانبرداری دکھائی۔ درحقیقت یہ بھی ایک ثبوت ہے ہمارے حق پر ہونے کا کیونکہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہم پر احسان کیا تھا اور ہم نے اس احسان کی خدا کے فضل سے قدر کی اور آپ کو مانا تھا۔ لیکن ہمارے مخالفوں نے خدا تعالیٰ کے اس احسان کو ردّ کر دیا تھا۔ چونکہ ہم نے اس احسان کو مانا تھا اس لیے ہمیں خدا کے دوسرے احسانوں کے قدر کرنے کی بھی توفیق دی گئی اور جو مخالف تھے وہ عادی تھے کہ خدا کے احسانوں کو ردّ کر دیں چنانچہ اُنھوں نے اس احسان کو بھی جو امن کی صورت میں ان پر کیا گیا تھا ردّ کر دیا۔ ہم نے جو کچھ کیا وہ ہمارا حق تھا اور جو کچھ انھوں نے کیا ان سے یہی ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔

غرض اس وقت ہماری ہی جماعت ہے جو بحیثیت جماعت اس احسان فراموشی سے بچی رہی جو ہندوستان کی مختلف اقوام سے اس وقت ظاہر ہوئی ہے۔ مگر مَیں اس وقت آپ لوگوں کو یہ نصیحت کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہوں کہ آپ لوگوں کا یہی فرض نہیں کہ خود ان فسادوں سے بچیں۔ بلکہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ان حرکات سے باز رکھیں۔ کیونکہ اگر ہمسائے کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہو تو کوئی دانا خاموش ہو کر نہیں بیٹھا رہے گا۔ وہ اس آگ کو بُجھانے کی طرف توجہ کریگا۔ پس آپ لوگوں کا فرض ہے کہ ہمسایوں کی آگ کو بُجھائیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود: ۱۱۴) کہ ظالموں کے پاس رہنے کا نتیجہ ہوگا کہ آگ تم کو بھی پکڑے گی۔ دیکھ لو لاہور میں جو فوجی قانون جاری ہو رہے ہیں۔ ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو وفادار اور غیر وفادار میں امتیاز کرنے والی ہو۔ یعنی اگر کوئی وفادار شخص بھی رات کے مقررہ وقت کے بعد بغیر اجازت سرکار گھر سے نکلے گا تو اس سے بھی وہی سلوک ہوگا۔ جو ایک غیر وفادار سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جو کچھ پہنچا اس میں سے ہماری جماعت کو بھی پہنچا۔ اگر ہم ان کو باز رکھ سکتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ

لوگ خود بھی محفوظ رہتے اور ہماری جماعت پر بھی کوئی تکلیف نہ آتی۔ پس تمہیں چاہیئے کہ دوسروں کو بھی امن کے قائم رکھنے کی ترغیب دلاؤ۔ دُکھوں سے مت ڈرو اور مت خیال کرو کہ لوگ تمہیں تکلیف دیں گے۔ تکلیفوں سے ڈرنے والے بُزدل ہوتے ہیں۔ تکلیف کو برداشت کرو کیونکہ مومن دلیر اور جری ہوتا ہے اور وہ خدا کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ اس لیے دُنیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ طاعون کے دنوں میں ٹیکا ایجاد ہوا، لیکن حضرت صاحب نے اپنی جماعت کو اس سے بھی روک دیا۔ کیونکہ آپ کو خدا نے بتایا کہ میں ان کی حفاظت کرونگا۔ جو تیرے گھر میں ہونگے۔ اور الہام ہوا کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے[1] پس لوگوں کی دھمکیاں اور تکلیفیں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ ہم سب کچھ خدا کے لیے کرتے ہیں۔ اس لیے ہم ڈر نہیں سکتے۔ جو قوم ڈرتی ہے۔ وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ موت ایک پردہ ہے جو ہم میں اور خدا کے درمیان حائل ہے۔ وہ پردہ اُٹھتا ہے تو ہم اپنے خدا کو مل جاتے ہیں۔ پس مومن کسی کی ہنسی کی پروا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خدا ہمارا دوست ہے۔ وہ لوگ نادان ہیں۔ جو ہم پر ہنستے ہیں۔ وہ نہیں جانتے اور وہ نہیں دیکھتے جب ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارے پاس حق ہے۔ تب ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ اپنے کیئے پر پچھتائیں گے۔

ہماری مثال تو ڈاکٹر کی ہے اور ان کی مریض کی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب ڈاکٹر نشتر لگاتا ہے تو مریض اس کو گالیاں دیتا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر کا فعل اس کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے۔ مریض کی گالیوں سے ڈاکٹر ناراض نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ناواقف ہے۔ تم کو خُدا نے ڈاکٹر بنایا ہے تمہارے ذریعہ خدا ان رُوحانی مریضوں کو صحت دیگا۔ پھر یہ تمہارے شکر گزار ہونگے۔ پس تم جرأت کرو اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ یہ مت خیال کرو کہ گورنمنٹ تمہاری قدر نہیں کرتی۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں گورنمنٹ سے قدر کرانے کیلئے نہیں کرتے۔ بلکہ خدا کے لیے کرتے ہیں۔ اور خدا کے حکم سے کرتے ہیں کہ زمین میں فساد نہ کرو اور امن کو قائم رکھو۔ اگر کوئی ایسی گورنمنٹ ہو جو یہ کہے کہ تم فساد کرو۔ تو ہم یا تو اس کے ملک کو چھوڑ دیں گے یا اس کو اس کے اس خیال سے ہٹائیں گے۔ پس اگر گورنمنٹ کے حکام تمہارے کام کی قدر نہ کریں تو پرواہ مت کرو۔ ہمارا یہ فعل اس غرض سے نہیں ہے کہ کوئی ہماری قدر کرے۔ ہمیں گورنمنٹ کیا دے سکتی ہے۔ ہمیں دینے والا ہمارا خُدا ہے اس لیے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ کسی لالچ سے نہیں کرتے ہمیں تو خدا نے وہاں کھڑا کیا ہے جہاں کسی مدح اور ذم کا اثر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اسلیئے ہم اسکے محتاج نہیں کہ وہ ہماری قدر کرے۔ کیونکہ ہمارا کام خُدا کی رضا کا حاصل کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک لالچ گناہ ہے۔ کیا کسی خطاب کیلئے ہم فساد سے بچتے ہیں۔ کیا چند مربعوں کیلئے ہم وفادار ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہماری نظر میں خطاب اور مربعے کوئی چیز نہیں ہیں۔ ہم خدا کیلئے کرتے ہیں پس تم بتاؤ کہ خطاب اور مربعے بڑے ہیں یا خدا بڑا ہے۔ ہم وفادار ہیں۔ ہم امن قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے۔ ہمارا

[1] تذکرہ صفحہ ۳۹۷

خُدا ہمیں فساد سے روکتا ہے۔ ہمارا مسیح موعود ہمیں وفاداری کی تعلیم دیتا ہے پس تم دین کے لیے، خُدا کے لیے اور مسیح موعودؑ کے لیے امن کو قائم رکھو کسی کے قدر کرنے کے خیال کو دل میں بھی نہ لاؤ۔ کیونکہ ہمارے دین کی ترقی اس سے ہوگی۔ اگر دُنیا کی نظر میں تم اس وجہ سے ذلیل ٹھہرو تو مت پروا کرو۔ کیونکہ خدا تمہاری عزت کریگا۔

(اتنا بیان فرما کر حضور بیٹھ گئے۔ اور جب دوسرے خُطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تو فرمایا)

پچھلے دنوں جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا کہ ہمیں اپنے علاقہ میں امن قائم رکھنا چاہیئے اور کسی قسم کے فساد میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ تو اس وقت بعض نادان مخالفوں نے کہا کہ یہ گورنمنٹ سے عزّت حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ اگر گورنمنٹ ہمیں خطاب دے تو وہ خطاب ہماری عزّت کو کیا بڑھا سکتا ہے۔ جبکہ خدا نے خطاب یافتوں کو اپنے فضل سے ہمارا غلام بنادیا ہے۔ جو بیعت کرتا ہے وہ غلامی کا اقرار کرتا ہے کئی خان بہادر آتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔ پس جو کچھ ان لوگوں کے خیال میں ہم گورنمنٹ سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ تو خُدا کے فضل سے ہمارے مریدوں کو حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ جب وفاداری کی تعلیم دیتے تھے تو مخالف کہتے کہ گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا کے نبی خوشامدی نہیں ہوتے۔ جب مسلمان کہتے تھے کہ سلطان روم محافظِ حرمین ہے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا کہ یہ غلط ہے۔ بلکہ حرمین اس کے محافظ ہیں[1] مسلمانوں نے اس پر ہنسی کی۔ مگر دیکھ لو جب حرمین ان کی حکومت سے علیحدہ ہوتے۔ ترک اسی وقت مِٹ گئے۔ پس اسی طرح یاد رکھو کہ مسیح موعود اس گورنمنٹ کے محافظ تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ خدا اس گورنمنٹ کا محافظ ہے۔ کیونکہ مجھکو اس نے اس حکومت کے ماتحت مبعوث فرمایا ہے۔

پس ہم دُنیا کے لیے نہیں بلکہ خُدا کے لیے فرمانبردار ہیں۔ اس لیے لوگ اگر ہم پر ہنستے ہیں تو اس کی پروا نہیں۔ خدا ہمیں دیکھتا ہے اور وہ ہم سے خوش ہے۔ اس لیے اس کی خوشی کے مقابلہ میں دُنیا کی خوشی کی کوئی پروا نہیں۔"

(الفضل ۱۰ رمئی ۱۹۱۹ء)

---

[1] الحکم ۱۴ رمئی ۱۹۰۸ء